ڈاکٹر جمیل جالبی

# محمد مومن خان مومن: سوانح و شخصیت

The article covers the biography & personality of Momin a prominent poet of 19th century. He was a contemporary poet of Ghalib & Zauq. In this article research has been made to find out his exact year of birth adn the different aspects of his biography in order to correct the mistakes and this concepts of critics, and biographers. This study of his life & perosnality helps to understand his poetic nature & unique style of his art.

---

شاہ عالم ثانی کے دور شاہی (۴ جمادی الاول ۱۱۷۳ھ۔ ۷ رمضان ۱۲۲۱ھ/۲۵ دسمبر ۱۷۵۹ء۔ ۱۹ نومبر ۱۸۰۶ء) میں کشمیر سے دو بھائی: نامدار خاں اور کامدار خاں دہلی آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ یہ دونوں حکیم تھے۔ دست شفا سے جلد ہی چمک اٹھے اور چند ہی سال میں ان کی شہرت سارے شہر میں پھیل گئی۔ ۶ جنوری ۱۷۷۲ء کو جب شاہ عالم دہلی آئے تو کچھ عرصے بعد یہ دونوں بھائی شاہی طبیبوں کے زمرے میں شامل کر لیے گئے اور پرگنہ نارنول میں چند گاؤں، جن میں پلاپہ بھی شامل تھا بطور جاگیر انہیں عطا ہوئے اور یہ دونوں شاہی طبیب کے منصب پر فائز ہو کر باعزت زندگی گزارنے لگے۔ آنے والے زمانے نے دیکھا کہ اس خاندان سے ایسے اطبا پیدا ہوئے جن کے نام ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔ حکیم نامدار خاں کے تین بیٹے

تھے حکیم غلام حیدر خاں، حکیم غلام حسن خاں اور حکیم غلام نبی خاں (م ۱۲۳۱ھ) (۱)۔ موسن کے
قطعہ تاریخ وفات کے آخری مصرع "تو قد فاز فوزاً عظیما کہا" سے ۱۲۳۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔
حکیم غلام نبی خاں بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے لیکن سب سے پہلے وفات پا گئے۔ یہی
حکیم غلام نبی خاں مومن خاں کے والد ماجد ہیں۔

محمد مومن خان (۲) نام، مومن تخلص (۱۲۱۴ھ۔ ۱۲۶۸ھ/۱۸۰۰ء۔۱۸۵۲ء) دہلی کے
محلہ کوچہ چیلان میں پیدا ہوئے اور ساری عمر دہلی میں گزار دی:

ہو صورت خاک دل لگنے کی جنت میں بھلا مومن
مری نظروں میں ہے شاہجہاں آباد کا نقشہ

اکثر تذکرہ نویسوں نے مومن کا سال ولادت ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء دیا ہے لیکن قوی معاصر شہادت
کے پیش نظر یہ درست نہیں ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے اس دیباچے میں، جو ان کے
مرتبہ دیوان مومن مطبوعہ دہلی ۱۸۴۶ء پر لکھا گیا ہے، بتایا ہے کہ

"دریں زمانہ کہ تہذیب ایں دلفریب بستان اتفاق افتاد از ہجرت ہزار و دو
صد و چہل وسہ (۱۲۴۳) سال بر وفق ہلال گشتہ بود و سنین عمرش کہ چوں
عمر خضر از حد شمار برکراں باد بہ بست و نہ رسیدہ واز بس کہ ایں دیوان بے
نظیر است بمارتش "دیوان بے نظیر" است" (۳)

اس سال سے سال ولادت ۱۲۱۴ھ برآمد ہوتا ہے اسی طرح مثنوی "شکایتِ ستم" (سال تکمیل
۱۲۳۱ھ) میں خود مومن نے اپنی عمر سترہ برس بتائی ہے۔ "شکایت ستم" کا وہ شعر یہ ہے:

دیکھیں آگے دکھائیں کیا کیا دن
ہے ابھی سترہ برس کا سن

اس سے بھی سال ولادت ۱۲۱۴ھ برآمد ہوتا ہے۔

مومن خاں کی پیدائش پر حکیم غلام نبی خاں حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں

پہنچے اور بچے کے کان میں اذان دینے کی فرمائش کی۔ شاہ صاحب نے اذان دی اور بچے کا نام محمد مومن خاں تجویز کیا۔ گھر والوں نے حبیب اللہ نام تجویز کیا تھا لیکن شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہی نام رکھیے اور یہی وہ نام ہے جس سے وہ آج تک پہچانے جاتے ہیں۔

قرین قیاس ہے کہ مومن کی ابتدائی تعلیم مدرسہ شاہ عبدالعزیز میں ہوئی۔ شاہ عبدالقادر سے تعلیم حاصل کرنے کا ذکر اکثر تذکروں میں ملتا ہے(۴)۔ عربی زبان سے اچھی واقفیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انشائے مومن میں عربی فقرے اور قرآن و حدیث کے حوالے اور ان کا بے تکلف استعمال عام ہے۔ نواب اعظم الدولہ سرور نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ ''نوجوانے ست ہمت بر تحصیل کتب عربی مصروف دارد'' (۵)۔ فارسی زبان پر مومن کو بڑی قدرت حاصل تھی۔ معاصر تذکروں میں فارسی زبان پر ان کی قدرت کا ذکر آیا ہے۔ شیفتہ نے لکھا ہے کہ ''باوجود تخالف لسانین بہر دو لفظ چنداں دست گاہے نصیب او گشتہ کہ پارسیان از آں خودی انگارند'' (۶)۔ ان کی فارسی دانی کے بارے میں ایک اور معاصر مرزا قادر بخش صابر دہلوی نے بھی یہی لکھا ہے کہ ''کمال مہارت فارسی سے کوس لمن الملک کی صدا نے ہند سے فارس تک پہنچ کر طوطی ہند و بلبل شیراز کو دم بخود کر دیا تھا'' (۷)۔

مومن حافظ قرآن بھی تھے جس کا ذکر انھوں نے اپنی مثنوی ''شکایت ستم'' (۱۲۳۱ھ) میں کیا ہے۔ اعظم الدولہ سرور نے بھی اپنے تذکرے میں انھیں ''حافظ محمد مومن'' لکھا ہے (۸)۔ ان کا حافظہ بھی کمال کا تھا۔ عرش گیاوی نے لکھا ہے کہ ''ذہن خداداد کا یہ عالم تھا کہ شاہ صاحب کا وعظ جو علاوہ علوم ظاہری کے نکات باطنی سے بھی بہرہ ہوتا تھا، جو ایک روز سن لیتے تو بے فرق دوسرے روز اپنے والد کے مطب میں بیٹھ کر دہرا دیتے تھے'' (۹)۔ طب ان کا خاندانی پیشہ تھا۔ اسے بھی انھوں نے حاصل کیا اور اپنی ذہانت سے اس میں مہارت حاصل کی سعادت خان ناصر نے انھیں ''مسیحا نفس، حکیم بے نظیر، شاعر بے عدیل'' (۱۰) لکھا ہے لیکن ساری عمر باقاعدگی سے مطب نہیں کیا۔ صرف خاص موقعوں پر نبض دیکھ کر نسخہ تجویز کیا۔

عشق نعش دیکھ کر ہی پیدا ہوا تھا۔ ''انشائے مومن'' میں بھی متعدد مقامات

حکیم اہل ظہر صاحب سے کسی نواب کے نام خط میں لکھا ہے کہ ''جناب کے پاؤں کے

پر دوا دارو کا ذکر بار بار آیا ہے۔ دوائیں میں نے بھیجی ہیں ان میں سے

انگوٹھے کے درد نے پامال کر دیا ہے

اکثر اپنا علاج بھی خود ہی کرتے تھے۔ ایک خط میں

نفع دے اس سے مطلع فرمایا جائے۔'' (۱۱)

لکھا ہے کہ ''تیس دن ہوئے کہ اپنی رائے سے منضج کی دوا پی رہا ہوں (۱۲)۔ نواب جھجر کے ہاں

تین ماہ تک طبیب خاص کی خدمت پر مامور رہے اور نواب کی بے رخی دیکھ کر وہاں سے چلے

آئے۔ نساخ نے لکھا ہے کہ ''طب میں خوب دخل رکھتے تھے۔'' (۱۳)

طب کے علاوہ علم نجوم اور رمل سے بھی گہری واقفیت رکھتے تھے۔ معاصرین نے ان

کے کمالات اور پیش گوئیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہر سال رفتار نجوم کی تقویم تیار کرتے تھے جن میں

سے دو تقویم اور تین تقویموں کے دیباچے ۱۲۴۸ھ، ۱۲۴۹ھ، ۱۲۵۰ھ اور ۱۲۵۲ھ کا احاطہ

کرتے ہیں۔ ''انشائے مومن'' میں محفوظ ہیں۔ طب، نجوم اور رمل وغیرہ کی اصطلاحات کو اپنی

شاعری میں بھی ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ اختر شناسی کا ذکر کلیات مومن میں کئی جگہ آیا ہے۔ جادو

ٹونکے اور عملیات سے بھی دلچسپی تھی۔ ایک خط میں لکھا ہے کہ ''از دیروز کہ دوشنبہ روز نیر اصغر بود

عزائم خوانی بعمل آمد۔'' (۱۴) مثنوی ''حنین مغموم'' میں بدبلا نے نئی محبوبہ کے کان بھر کر

الزامات لگائے ہیں، ان میں عمل خوانی اور جادو و تسخیر کا الزام بھی شامل ہے اور مومن اپنی صفائی

میں یہ کہتے ہیں۔

میں کہاں افسوں کہاں کس کا مجال

انتقام چشم جادو کا خیال

ابتدا سے منکر تسخیر ہوں

عامل افغان بے تاثیر ہوں

شطرنج سے بھی انہیں گہری دلچسپی تھی۔ اپنے زمانے کے مشہور شاطر اور قرابت دار

کرامت علی خاں سے شطرنج کھیلتے تھے اور دن رات کو بھول جاتے تھے۔ کرامت علی خاں کی وفات (۱۲۵۹ھ) پر قطعہ تاریخ وفات (۱۵) انھوں نے کہا اس میں بھی شطرنج کی اصطلاحات منصوبہ، مات، خانہ، کشت، شہ رخ، زچ، بساط وغیرہ سے اپنے دل کی بات ادا کی ہے۔

مومن مرد آزاد اور عاشق مزاج انسان تھے۔ ۲۶ سال کی عمر تک انہوں نے شادی نہیں کی اور عشق و عاشقی میں لگے رہے۔ اس میں وہ اتنے بدنام ہو چکے تھے کہ والد نے اپنے اکلوتے بیٹے کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا جس کی تصدیق مثنوی ''شکایت ستم'' کے ان اشعار سے بھی ہوتی ہے جب ان کے عشق کا پردہ فاش ہو گیا اور بدنامی ہوگئی تو گھر والوں نے بلا کر ان سے کہا

آرزو تھی کہ نکلیں گے ارماں
کد خدائی کے کرتے تھے ساماں
نسبتوں کے کلام تھے کیا کیا
جا بہ جا سے پیام تھے کیا کیا
سن کے ایسے صفات نامعقول
نہ کرے گا کوئی جہاں میں قبول

والد کی وفات کے بعد انھوں نے پہلی شادی سردھنہ میں سعد علی خان بہادر کے خاندان میں کی اور جب یہ شادی ناکام ہوگئی تو ایک خط میں لکھا کہ ''سعد علی خاں بہادر ہمارے خاندان کے غلاموں میں سے تھا جس کو بیگم شمرو ( اس ذلیل شخص کی آقا تھی) کی دولت مل گئی تھی۔ چنانچہ اس کا نام نجف خاں اور نجیب خاں کی ہم نشینی کی بدولت تاریخ عالم شاہی اور سیر المتاخرین میں رہ گیا۔'' (۱۶) یہ شادی ۱۲۴۲ھ میں ہوئی۔ ''انشائے مومن'' کے ان دو خطوں سے شیخ ضامن کرم کے نام ہیں مومن کی اس تلخی کا اندازہ ہوتا ہے اس شادی کے بعد ان میں پیدا ہوئی اور جب شیخ ضامن کرم نے صلح صفائی کے لیے مومن خاں کو دوبارہ سردھنہ

آنے کی نوبت دی تو انہوں نے لکھا کہ "میں نے دو تین مہینے [illegible] والوں کے
ساتھ جانے کی غلطی کی تھی۔ اب جب کہ میں فارغ البال اور خوش حال ہوں خدا نہ کرے کہ
پھر اپنے آپ کو مصیبت میں پھنساؤں اور نادانوں کی مجلس میں شریک ہوں۔" (۱۷) اسی خط
میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اگر میں نے حرام سے توبہ کی ہے تو حلال تو ترک نہیں کیا۔ اگر
آوارہ گردی سے پاؤں اٹھایا ہے تو نکاح سے تو ہاتھ نہیں اٹھایا۔ چونکہ میں نے نابکار جاہلوں سے
تکلیف اٹھائی ہے اور بداطوار گنواروں سے رشتہ کرنے میں مصیبتیں جھیلی ہیں اس لیے ارادہ ہے
کہ کسی عالی خاندان سے قرابت کروں اور کسی شریف النسل زہرہ جمال کے دیدار سے آنکھوں کو
تسکین دوں ورنہ دو تین جگہ سے نکاح کا پیغام اور وصال کا مژدہ آیا ہے۔ اگر وہ شخص (خسر)
انصاف سے کام لے تو قیامت تک اس نسبت سے کہ میں اس کی لڑکی کو عقد نکاح میں لایا ہوں
فخر و نازش کے سوا کوئی لفظ زبان پر نہ لائے۔ افسوس صد افسوس کہ میں نے اپنی بلند مرتبت
کے پاؤں دگماس کوڑے سے تباہ کیا۔" (۱۸) اپنے عالی خاندان ہونے کا احساس، ناقدری زمانہ
کی شکایت اور اس شادی سے احساس محرومی اتنا گہرا ہو گیا تھا کہ تلخی ان کے مزاج کا حصہ بن گئی
مومن کی اس تصویر سے بھی نمایاں ہے "دیوان مومن" مرتبہ ضیا احمد بدایونی اور "حیاتِ
مومن" از عرش گیاوی میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد معلوم نہیں ہوتا کہ اس پہلی بیوی
کا کیا ہوا۔ دوسری شادی انہوں نے خواجہ میر درد کے نواسے خواجہ محمد نصیر محمدی رنج دہلوی کی بیٹی
سے ۱۲۳۵ھ میں کی۔ اس شادی کے بعد ان کا آخری عشق، جس کی روئیداد مثنوی آہ و زاری
مظلوم (۱۲۳۶ھ) میں منظوم کی ہے، ناکامی پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کوئی عشقیہ مثنوی
نہیں لکھی۔ اس دوسری شادی کے قطعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرو کی طرح آزاد مومن نے
زنجیر پہن کر اسیری قبول کر لی ہے۔

یعنی آں مومن آوارہ کہ در آزادی
بہ جہاں ضرب مثل بود چو سرو آزاد

ایں زماں پائے بہ زنجیر تعلق گشتہ
یوسفے بود سرو کار بہ زنداں افتاد
چہ خوش ایں واقعہ را گفت اسیرے تاریخ
مرغ بے بال و پر اندر قفس آمد فریاد (۱۹)

۱۲۴۷ھ میں ان کے ہاں احمد نصیر خاں پیدا ہوئے۔ نواب اصغر علی خاں اصغر کا قطعہ تاریخ دیوان نسیم میں مو د ہے۔ ۱۲۵۸ھ میں ایک لڑکا اور ۱۲۵۹ھ ایک بیٹی محمدی بیگم پیدا ہوئی۔ ان دونوں کے قطعات ولادت مومن نے خود کہے۔ ۱۲۶۱ھ میں ایک اور لڑکا پیدا ہوا دو سال بعد ۱۲۶۳ھ میں مر گیا اور ایک لڑکی فاطمہ سلطان بیگم ۱۲۶۵ھ میں مرگئی۔ (۲۰) جس کا قطعہ وفات مو د ہے۔

مومن نے اپنے عشق کو کبھی نہیں چھپایا بلکہ مثنویاں لکھ کر ان عشقوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ اپنے خطوط میں بھی وہ اپنے عشق کا اظہار بلا تکلف کرتے ہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ "آج کل میں کسی کے گیسو کے خم میں تازہ اسیر ہوا ہوں۔" (۲۱) ایک اور خط میں لکھا ہے کہ "دل ہاتھ سے دینا اور دل پر ہاتھ رکھنا محال ہے۔ کسی کے انتظار میں لگے رہنا اور پھر بھی اپنے کو قابو میں رکھنا محض خیال ہے۔ میں ہوں اور آنسوؤں کی جھڑی...... کسی کے قامت کے الف نے میرے خیال کی قوت زائل کر دی ہے۔ (۲۲) عشق و عاشقی ان کا مزاج تھی۔ اس میں وہ اتنے بدنام تھے کہ دنیا جہاں ان کے اس مزاج سے واقف تھی۔ "تف آتشیں" والی محبوبہ نے اسی لیے تف کیا تھا۔ اس مثنوی میں اپنے مزاج عاشقی کو خود بھی بیان کیا ہے:

اور ہمیں بھی چاہ کا لپکا
عشق دل و جاں کاہ کا لپکا
مہوشوں سے لاگ سی دل کو
گرم رکھے اک آگ سی دل کو

اک شہ اک سے کام کی رسم ہے
ہم سدا بدنام کی رہوے (۴۳)

مومن دہلی کے ایک سربرآوردہ خاندان کے چشم و چراغ تھے اور اس طرح زندگی بسر کرتے تھے جس طرح اس دور کے رؤسا کا شیوہ تھا لیکن مالی اعتبار سے ان کی حالت خستہ تھی۔ عبدالقادر خاں چیف رامپوری نے لکھا ہے کہ ''اکنوں مانند دیگر خاندان ہائے دہلی بہ عسرت بسری بروند۔'' معاشی بدحالی کی یہ صورت، انگریزوں کے تسلط کے بعد، نہ صرف دہلی بلکہ سارے ہندوستان میں عام طور پر نظر آتی ہے۔ مومن کے فارسی خطوط سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ پلاہہ پرگنہ نارنول میں جاگیر شاہ عالم ثانی نے اس خاندان کو دی تھی، دہلی پر انگریزی کے قبضے کے بعد، جھجر کا سارا علاقہ کمپنی بہادر کے وفادار نواب فیض محمد خاں کو دے دیا گیا تھا اور اسی کے ساتھ مومن خاں کے اسلاف کی یہ جاگیر بھی نواب فیض محمد خاں کی جاگیر میں چلی گئی تھی جس کے عوض ایک ہزار روپیہ اس خاندان کے ورثاء کو ملتا تھا جس میں مومن کا بھی حصہ تھا اور یہ بھی باقاعدگی سے وقت پر نہیں ملتا تھا۔ مومن نے ایک خط میں لکھا تھا کہ ''خزانچیوں کی زیادتی کی دہائی کہ اتنی بے تکلفی کے باد زر سالانہ نہیں بھیجا۔ نواب صاحب کی ضمانت سے بھی کام نہیں نکلا۔ ایک مہینے کا دعدہ سو ماہ کے برابر ہو گیا۔'' (۴۴) مومن کی مالی حالت اتنی خراب تھی کہ سسرال سے ملا ہوا مکان بھی فروخت کر دیا تھا۔ ایک اور خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا کوئی اور مکان بھی بیچنا چاہتے تھے اور اسی لیے اسے کرائے پر دینا نہیں چاہتے تھے۔ (۴۵) وہ زمین مومن خاں کو ورثے میں اپنی والدہ کی طرف سے ملی تھی اسے بھی انگریز ریذیڈنٹ فریزر نے زبردستی چھین لیا تھا۔ یہ وہی فریزر ہے جسے نواب شمس الدین خاں نے قتل کر دیا تھا اور پھانسی چڑھے تھے۔ ایک خط میں لکھا ہے کہ ''ایک نیا ظلم پرانے دشمن نے کیا یہ ہے کہ تھوڑی سی زمین مجھے والدہ سے ورثے میں ملی تھی وہ بھی زبردستی چھین لی گئی۔ اس اجل گرفتہ (فریزر) نے کہ جس کے قتل سے اب تک فتنہ بپا ہے اور جس کی روح ناپاک، جنات کی طرح

ہل چل ڈالے ہوئے ہے۔ اپنے مقتول ہونے سے ایک دن پہلے میری موروثی زمین پر میرے نان یں کے لیے کافی تھی اور سرکار اندر پٹ میں تھی، ضبط کرلی۔" (۲۶) مالی اعتبار سے مومن خاں کی حالت غالب خستہ سے بھی زیادہ خستہ تھی لیکن وہ ساری عمر عزت نفس اور خود داری و وضع داری کے ساتھ نبھاتے رہے۔ بعض دفعہ اتنے پریشان ہوتے تھے کہ دہلی کو چھوڑ کر چلے جانا چاہتے تھے جس کا اظہار اپنے خطوط میں کیا ہے۔ ایک خط بنام غلام حسین خاں میں لکھا ہے کہ "اس اجڑے دیار میں جاہل اور بے قدر کافروں کے ہاتھ میں پڑ کر شرفا کی قدر کیمیا کی خاصیت اور دولت و اقبال عنقا کا حکم رکھتا ہے، اس نظر سے سفر لکھنو کا ارادہ ہے۔ اگر وہاں کاربراری ہوئی فبہا ورنہ اُس ملک کا ارادہ بھی دل میں ہے کیوں کہ اکثر لوگوں نے ارباب کمال خصوصاً شعرا کے حق میں لالہ چندو لال بہادر کی قدردانی کا ذکر کیا اور یہ ہیچ مداں اس باغ کی خوشبو کے تصور سے مست ہے اگر حق تعالیٰ کو منظور ہے تو وہاں پہنچ کر دولت قدم بوسی سے سعادت حاصل کروں گا اور لالہ صاحب مذکور کے والد کا ارتباط، ہمارے خاندان سے رہا ہے، عرض کروں گا۔" (۲۷) اس مالی تنگی اور پریشان حالی نے مومن کے اندر ناقدری اور شکایت زمانہ کے احساس کو جنم دیا۔ جس کا اظہار افتخار اور خود پسندی کی صورت میں اپنے خطوط اور فارسی و اردو شاعری میں کیا ہے:

منم کہ نیست قرانم ہیچ قرن و زمن
منم کہ نیست نظیرم ہیچ شہر و دیار
نبود و نیست عدیل من امتحاں ایک
ز زندگان لب و خامہ زمردگاں اشعار (۲۸)

معاشی الجھنوں نے ناقدری و شکایت زمانہ کے احساس کو گہرا کر کے ان میں انگریز دشمنی کے جذبے کو تیز تر کیا تھا اور وہ کاغذ و قلم کے کام سے بھی دست بردار ہو جانا چاہتے تھے۔ ایک خط بنام حکیم احسن اللہ خاں میں لکھا ہے کہ "میرے آئینہ پر کس مپرسی کی زنگار اس قدر جم گئی

بے زر صرصرِ حوادث کا غبار بھی اس کو جلا نہیں دے سکتا۔ میرے یوسف (کلام) کو بوجھا کے سوت کی انٹی کے بدلے بھی لوگ نہیں خریدتے اور اس کو چاہ کنعاں سے کھوٹے سکوں کے عوض بھی نہیں نکالتے۔ ید بیضا کے معجزے کے باوجود میں خالی ہاتھ ہوں اور دمِ عیسیٰ کے ہوتے ہوئے بیماری میں مبتلا ہوں ... یہ کاغذ و قلم کی زحمت بھی آپ کے تعمیل حکم میں ہے ورنہ نقد سخن کی بے قدری سے لکھنے پڑھنے کا دماغ کس کو ہے۔" (۲۸)

از علم بہ تنگم از دلم بیروں باد
محروں شدم از ہنر ہنر محروں باد
از کاوش دانشم دلم پرخون است
یارب کہ دروں دانشم پر خوں باد

مومن نے اپنی شاعری کے بالکل ابتدائی زمانے میں اس وقت کے بڑے مشہور استاد شاہ نصیر دہلوی کو غزلیں دکھائیں مگر ان کا شعری مزاج شاہ نصیر سے مختلف تھا اس لیے جلد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ مومن کی شاعری کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ بارہ تیرہ برس کے تھے۔ ۱۲۳۱ھ میں جب اپنی پہلی عشقیہ مثنوی "شکایت ستم" مکمل کی تو ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ یقیناً کچی پکی شاعری کا آغاز اس سے چند سال پہلے ہو گیا ہوگا۔ اس طرح ان کی شاعری کا آغاز ۱۲۲۷/۱۲۲۸ھ متعین کیا جا سکتا ہے۔ فائق رامپوری نے بھی ۱۲۲۷ھ آغاز شاعری کا سال متعین کیا ہے۔ (۳۰)

وفات سے پانچ مہینے پہلے صفر کے مہینے میں گھر کی چھت پڑ رہی تھی۔ مومن نگرانی کر رہے تھے کہ اچانک پیر پھسلا اور وہ بے طرح زمین پر آ رہے۔ ہاتھ اور بازوؤں کی ہڈیاں بری طرح ٹوٹ گئیں۔ علاج کیا لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ زائچہ دیکھا تو کہا کہ میں صرف پانچ مہینے اور زندہ رہوں گا اور اس حادثے کی تاریخ "دست و بازو بشکست" (۱۲۶۸ھ) لکھوائی اور یہ قطعہ کہا:

مومن فتاد از بام گفتم چہ رفت گفتا
خود باخروش گفتم بشکست دست و بازو
گفتم کہ بایدت گفت، تاریخ ایں مصیبت
گفتا خموش گفتم ''بشکست دست و بازو'' ۱۲۶۸ھ

یہی تاریخ حادثہ ان کی تاریخ وفات ثابت ہوئی۔ غالب نے اپنے ایک خط بنام منشی نبی بخش حقیر مورخہ یکم شعبان ۱۲۶۸ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۸۵۲ء میں لکھا کہ ''سنا ہوگا کہ مومن خاں مر گئے۔ ان کو مرے ہوئے دسواں دن ہے...... مومن خاں میرا ہم عصر اور یار بھی تھا۔ بیالیس تنتالیس برس ہوئے یعنی چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی میری اور اس مرحوم کی عمر تھی۔ مجھ میں اس میں ربط پیدا ہوا۔ اس عرصے میں کبھی کسی طرح رنج و ملال درمیان نہ آیا...... یہ شخص اپنی وضع کا اچھا کہنے والا تھا۔ طبیعت اس کی معنی آفریں تھی۔ (۳۱) غالب کے اس خط کی رو سے یکم شعبان کو دسواں دن تھا یعنی ۲۱ رجب ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۸۵۲ء کو مومن کی وفات ہوئی۔ یکم شعبان ۱۲۶۸ھ/۱۲ مئی ۱۸۵۲ء کو جمعہ کا دن تھا اور ۲۱ رجب کو چار شنبہ (بدھ) تھا۔ عرش گیاوی نے جمعہ کا دن بتایا ہے صحیح نہیں ہے۔ مومن خاں کی خواہش کے مطابق دلی دروازے کے باہر مہندیوں میں شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان کے مقابر کے احاطے کی دیوار کے باہر انہیں دفن کر دیا گیا۔ ان کی وفات کے ۹۵ سال بعد پروفیسر احمد علی دہلوی نے قبر کو پختہ کرا کے اس پر کتبہ لگوا دیا۔ کاش یہ شعر بھی لکھوا دیتے:

سنگ مرقد سے مرے فیض ہے سب کو مومن
ہوں تہ خاک بھی طوطی پسِ آئینہ

برسوں بعد جب احاطہ کی گری ہوئی دیوار دوبارہ بنائی گئی تو مومن کی قبر کو بھی اندر لے لیا گیا۔ ان کی وفات پر متعدد شعرا نے قطعات تاریخ لکھے۔ آگہی نے ''ماتم مومن خان'' سے سال وفات نکالا اور غالب نے یہ رباعی لکھ کر اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔

فردا است کہ زروئے دل خرم ہمہ عمر
خوں نابہ بجائے دیدہ باشم ہمہ عمر
کافر باشم اگر بہ مرگ مومن
چوں کعبہ سیہ پوش نہ باشم ہمہ عمر

شاعری میں مومن کے بہت سے شاگرد تھے جن میں ۳۸ کے نام فائق رام پوری نے اور ۴۴ کے نام ظہیر احمد صدیقی نے اپنی کتاب میں دیے ہیں جن میں نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، حسرتی، نواب محمد اصغر علی خاں نسیم دہلوی، میر حسن تسکین، میر عبدالحق آہی، حکیم مولا بخش قلق میرٹھی، مرزا قربان علی بیگ سالک، مرزا محمود بیگ راحت دہلوی وغیرہ ممتاز ہیں۔ دیوان مومن کا پہلا ایڈیشن ۱۸۳۶ء میں شیفتہ نے مرتب کیا اور دوسرا ایڈیشن ۱۲۸۴ھ میں آگہی نے مرتب کیا مطبع نول کشور سے شائع ہوا۔

مومن مغلیہ سلطنت کے زوال اور انگریزوں کے تسلط سے انتہائی ناخوش تھے جس کا اظہار نہ صرف اپنے خطوط میں کیا ہے بلکہ متعدد اشعار میں بھی اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ "دیوان فارسی" میں عرفی کے قصیدے پر قصیدہ لکھا اس کے دو شعر یہ ہیں:

ایں عیسویاں بلب رسانند
جاں من و جان آفرینش
برخیز کہ شور کفر برخاست
اے فتنہ نشان آفرینش

جنگ کابل میں جب انگریزی فوج کا قافلہ افغان مجاہدوں نے تباہ کر دیا اور انہیں کابل چھوڑنا پڑا تو مومن نے دو قطعات تاریخ (۳۳) کہے جن سے ان کے دلی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔

بہ ارباب ایماں در آویختند
زبس کافران ہزیمت نصیب

برآورد سر مومن ما و گفت
کہ "نصرٌ من اللہ فتح قریب" ۱۲۹۶-۴۰=۱۲۵۶ھ
بخواری ز کابل بروں آمدند
چوں کفار ملعون ذلت قریں
ز روئے یورش سال تاریخ فتح
ملک گفت فضل علی المومنین

۱۲۳۸+۱۶=۱۲۵۴ھ

جب مولانا محمد اسحٰق نے دارالحرب سے حرم کعبہ ہجرت کا عزم کیا تو چھ شعر کا قطعہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

از کشور ہند رخت بربست
بیزار ز کافران اظلم
بگذاشتہ دارحرب امسال
جاکردہ بہ مکۂ معظم

"مثنوی جہادیہ" سے بھی مومن کے انداز فکر اور جذبہ جہاد پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ اپنے ذاتی مصائب اور قومی تباہی کو انگریزی تسلط واقتدار کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ اس وقت صورت حال یہ تھی کہ ایک نظام ٹوٹ رہا تھا اور ایک استعماری نظام اس کی جگہ لے رہا تھا۔ اسی کے ساتھ معاشی، معاشرتی واخلاقی قدریں بدل رہی تھیں اور ہندوستانی علوم وفنون کی قدر و قیمت گھٹ رہی تھی۔ چاروں طرف بدحالی نے گھر کر لیا تھا اور اہل علم، اہل فن، اہل ہنر، امرا، نوابین اور پیشہ ور پریشان حال تھے۔ مومن کے اندر انگریزوں سے نفرت کا زہر بھرا ہوا تھا وہ انہی حالات کا نتیجہ تھا۔ ان میں ایسی خودداری وعزت نفس تھی کہ وہ غالب کی طرح کسی انگریز ملکہ یا کسی حاکم کی شان میں قصیدہ نہیں لکھ سکتے تھے۔ انھوں نے انی ہی میں حضرت صاحب سید احمد شہید

بریلوی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ انیس سال کی تھی۔ کلب علی خاں فائق رامپوری نے تاریخ بیعت، رجب ۱۲۳۳ھ اور ۴ شعبان ۱۲۳۴ھ مطابق مئی ۱۸۱۸ء اور ۲۹ مئی ۱۸۱۹ء کے درمیان متعین کی ہے (۳۴)۔ مومن کو سید صاحب کی تحریک جہاد میں انگریزوں سے نجات کا راستہ اور امید کی کرن نظر آ رہی تھی۔ مثنوی جہادیہ کے علاوہ اردو شاعری میں بھی وہ تحریک جہاد سے اپنی وابستگی کا مسلسل اظہار کرتے رہے۔ انکی نظر میں جہاد ان کے نزدیک عظمت رفتہ کو واپس لانے کا ذریعہ بن سکتا تھا۔

شوق بزم احمد و ذوق شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہنچ اس مہدی دوراں تلک

زمانہ مہدی موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے کہیو تو سلام پاک حضرت کا

مومن کی شاعری پر اس جہادیہ تحریک کا گہرا اثر تھا۔ آج غزل کے رموز و کنایات میں یہ پہلو چھپ گیا ہے لیکن اس دور کے لوگوں کو یہ اشعار براہ راست متاثر کر رہے تھے۔

شخصیت کے دو روپ ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری روپ کسی شخص کے چہرے مہرے سے پیدا ہونے والے مجموعی تاثر سے ظاہر ہوتا ہے اور باطنی روپ اس شخص کی بات چیت اس کے طرز عمل، اس کے انداز فکر، اس کے ذہنی رویوں اور احساس جمال سے پیدا ہوتا ہے اور اس کی تحریروں اور تخلیقی اظہار سے سامنے آتا ہے۔ ظاہری روپ پر باطنی روپ کی چھوٹ پڑتی ہے اور ظاہری روپ باطنی روپ کو سایہ فراہم کرتا ہے۔ مومن خاں کا ظاہری روپ تو وہ ہے اس لفظی تصویر سے ابھرتا ہے جس کا نقشہ مرزا فرحت اللہ بیگ نے کھینچا ہے۔ (۳۵) اور دوسری طرح مومن کی اس واحد تصویر سے سامنے آتا ہے عرش گیاہی "حیات مومن" اور ضیا بدایونی کے مرتبہ "دیوان مومن" میں شامل ہے۔ تصویر کو دیکھ کر گہری سنجیدگی، رئیسانہ وضع قطع اور خوش پوشاکی کے ساتھ یہ تاثر بھی ابھرتا ہے کہ صاحب تصویر ایک

خوب صورت، وجیہ اور تندرست و توانا شخص ہے۔ سوالی شکل آنکھیں اور لمبی پتلی گہری سوچ
کا اشارہ ہیں۔ خشک ہونٹ آنکھوں سے مل کر اضطراب اور کرب کو ظاہر کرتے ہیں۔ صاحب
تصویر کے باطن میں طوفان برپا کیے ہوئے ہے۔ مومن کی شخصیت کی باطنی روپ ان کی نثری
تحریروں اور ان کی شاعری سے سامنے آتا ہے۔ وہ حکیموں کے نامی خاندان کے چشم چراغ
تھے۔ فارغ البالی اور عزت و امیری انھیں ورثے میں ملی تھی لیکن انگریزی راج کے بعد اس
خاندان کی جاگیر ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ ان ناانصافیوں کا اثر انگریزوں سے نفرت کی
صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنے فارسی خطوط اور فارسی و اردو شاعری
میں کیا ہے۔ ورثے میں ملی ہوئی وضع داری، خاندان کی بڑائی کا احساس اور جاگیردارانہ دور کی
قدروں کی پاس داری مومن کا سرمایہ حیات تھی۔ ان کی خود پسندی اسی طرز فکر کا نتیجہ تھی۔ اسی
غیرت و خودداری کے باعث انھوں نے کسی کی نوکری نہیں کی اور کسی امیر، نواب یا بادشاہ کی مدح
میں قصیدہ نہیں لکھا۔ ان کے کلام میں دو قصیدے ملتے ہیں ان میں سے ایک میں رئیس پٹیالہ
راجا اجیت سنگھ کا شکریہ ادا کیا ہے جس نے انھیں ہاتھی کا تحفہ دیا تھا۔ اس قصیدے میں بھی راجا کی
مدح و شکریہ ادا کرنے کے ساتھ اپنی بڑائی کا اظہار بھی کیا ہے۔

شاعر بے نظیر ہوں سحر بیاں دبیر ہوں
دم ہے مرا نمونۂ معجزۂ پیمبری
سحر حلال سے مرے جادوئے سامری خجل
طور کلیم اوج فکر ، نور خدا فسوں گری
میری زبان میں وہ بات جس سے ملک سخن پرست
میرے بیان میں وہ سحر جس سے جنوں زدہ پری

اور ایک قصیدے میں والی ٹونک نواب محمد وزیر خاں کی مدح کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر نہ
ہونے پر معذرت کی ہے حتیٰ کہ نعتیہ قصیدہ میں بھی سلیقے سے اپنی بڑائی کا اظہار کیا ہے۔

مٹے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون و علوم
خدا کسی کو نہ دے ایسے طالع منکوس
حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر
کرے معارضہ سر دفتر عقول و نفوس
کروں گردش انجم کی میں رصد بندی
فدا ہو وجد میں آ کر روان بطلیموس

اس انداز فکر سے ان کے اندر ناقدری زمانہ کا شدید احساس محرومی پیدا ہوا جس کا اظہار وہ اپنی شاعری اور اپنے خطوط میں بار بار کرتے ہیں۔ ایک خط بنام احسن اللہ خاں میں لکھتے ہیں کہ ''المختصر میں اس طرح نغمہ سرائی کرتا ہوں کہ بلبل بھی میری ہم سری نہیں کر سکتی اور گل افشانیاں کرتا ہوں کہ زر گل ان کی حسرت میں جلتا ہے لیکن کیا کروں کہ سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں نہیں۔'' (۳۶) ایک اور خط میں لکھتے ہیں کہ ''زمانے کی ناقدری اور نافہمی کے باعث کوئی مرا خریدار نہیں ہے اور میرے آب دار موتیوں کا تاریکی میں بھی بازار مندا ہے..... اس ناقدری کے باو دمیں نے کبھی ہنر کی آبرو نہیں بیچی اور امراء کی آستین سے توقعات وابستہ نہیں کیں۔ میں نے جو کی روٹی پر قناعت کی ہے اور آسمان کے خوشہ گندم پر کبھی نظر نہیں ڈالی ......اور یہ کاغذ و قلم کی زحمت بھی آپ کے تعمیل حکم میں ہے ورنہ نقد سخن کی بے قدری سے لکھنے پڑھنے کا دماغ کس کو ہے۔'' (۳۷) اسی کشمکش سے ان کی ساری زندگی عبارت ہے۔ اس سطح پر انھوں نے حالات زمانہ سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا اور اسی وجہ سے ان کے مسودات منتشر پڑے رہے اور ان کا اردو دیوان مصطفےٰ خاں شیفتہ اور پھر عبدالرحمٰن آہی نے اور خطوط و فارسی کلام حکیم احسن اللہ خاں نے مرتب و شائع کیا۔

مومن عاشق مزاج و رنگین طبع انسان تھے۔ نو سال کی عمر سے اکتیس سال کی عمر تک وہ مختلف عشقوں میں گرفتار رہے جس کا اظہار انہوں نے اپنی چھ عشقیہ مثنویوں میں کیا ہے۔ یہ عشق

وصل کا پجاری ہے اور جسم کی آگ بجھانے کا وسیلہ ہے۔ اس میں وہ اتنے بدنام تھے کہ والد نے اپنی زندگی میں ان کی شادی نہیں کی اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے اور سب کے چہیتے تھے۔ انکی شاعری اور بالخصوص عشقیہ مثنویاں ان کی زندگی کی ترجمان ہیں۔ یہی عشق ان کی شاعری کو روشن کرتا ہے جس کے رنگارنگ تجربوں کا اظہار انھوں نے اپنی غزلوں میں کیا ہے۔ مثنوی ''قصہ غم'' (۱۲۳۵ھ) میں مومن نے اپنے رنگ مزاج کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

تھا نام تو مومن اور دیں کفر
جاں محو بتاں و دل نشیں کفر

رسوائے زماں و تیرہ ایام
آوارہ و ہرزہ گرد و بدنام

ربط اس کو بتان نازنیں سے
دنیا سے نہ کام کچھ، نہ دیں سے

مدہوش شراب نو انی
سرشار نشاط و شادمانی

آرام و طرب میں صرف اوقات
مشغول سرور و عیش دن رات

ل غنچہ سدا کھلے ہی جانا
ہر وقت ہر آن مسکرانا

دیوانوں سے شوق بے نہایت
اشعار کا ذوق بے نہایت

تصحیح سخن پہ طبع مائل
علم شعرا میں فرد کامل

ہے بذلہ بھی نہ بات کوئی
ختم اس پہ ہوئی لطیفہ گوئی
ہر چیز و اس سے آشنائی
سارے ہی جہاں سے آشنائی

مومن اس دور کے طبقہ خواص سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنی شاعری میں بھی دو [illegible]
سے مخاطب ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ''ابھی میں زندہ ہوں اور بہت کچھ لکھوں گا [illegible]
ہے اور اس کی گواہی کافی ہے کہ امسال بھی بہت سے مکاتیب سپرد قلم کیے گئے لیکن چونکہ ان [illegible]
کے مضامین نازک روزمرہ عوام میں بیان کیے گئے اس لیے ان کی نقل کی میں نے پروا نہیں کی [illegible]
اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ گدھے گھوڑے کے ساتھ یکساں سلوک کریں گے تو سو جزو [illegible]
بھیج دیتا۔''(۳۸)

مومن کی شخصیت اور مزاج کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہل چل مچا دینے والا
اضطراب ان کے مزاج کا جزو اعظم تھا۔

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہوسکا

یہی وہ تخلیقی کرب ہے ان کی شاعری کا ہر ہے۔ اسی سے ان کی شخصیت کا باطن روشن تھا
جس کا اظہار ایک خط میں اس طرح کیا ہے کہ ''پہلا ظلم اس بے رحم (آسمان) نے مجھ پر کیا یہ
ہے کہ میرے ضمیر کو دل سوختہ اور جگر برشتہ کی خاک سے آمیختہ کیا اور جس دن میرا قالب تیار
کیا تو اس میں شور محبت کو ملا دیا۔ خدا کی شان جس نے کبھی جفا نہ دیکھی تھی اس نے جفائیں
برداشت کیں اور جس نے کبھی ستم نہ سہے اس نے ستم اٹھائے۔''(۳۹) اس انداز نظر نے
ایک ایسے احساس برتری کو جنم دیا کہ وہ اپنی ذات کے حصار سے نہ نکل سکے اور اسی لیے خوشامد
سے بھی دور رہے۔ ان کے دوسرے بڑے معاصر مرزا غالب اس سے نہ بچ سکے۔ غالب نے

خطوط سربرآوردہ شخصیات کو لکھے یا درخواستیں انگریزی سرکار میں بھیجیں یا قصائد ملکہ وکٹوریہ اور حکمران بالا کی مدح میں لکھے ان میں زمانہ سازی و خوشامد شامل ہے لیکن مومن نے کبھی یہ نہیں کیا۔ فریزر نے ان کی والدہ والی زمین ان سے چھین لی لیکن مومن نے کوئی درخواست اس سلسلے میں نہیں دی۔ انھوں نے مال دار سسرال کو ٹھکرا دیا اور شیخ ضامن کرم کو لکھا۔ ''مانا کہ میں خاک میں مل گیا ہوں لیکن اب بھی آسمان کی ہم سری کو ننگ سمجھتا ہوں اور اگرچہ بے سروسامان ہوں لیکن سفلوں کی خوشامد کو اپنے رتبے سے فروتر خیال کرتا ہوں۔'' (۴۰) اسی لیے مومن صاف گو انسان تھے۔ مصلحت اور کینہ وحسد سے ان کا دل پاک تھا۔ انہوں نے کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھی اور نہ اپنی ذاتی و خاندانی شرافت سے دور ہوئے۔ ایک خط میں یہ شعر لکھ کر اپنے مزاج اور اپنے رسم وآئین کا اظہار کیا ہے۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

مومن کی زندگی میں مذہب بڑی اہمیت رکھتا ہے لیکن ساتھ ہی عشق کی رنگینی اور آرزوئے وصل کی آگ بھی روشن ہے۔ وہ دونوں کو ساتھ لے کر چلتے اور ایک کو دوسرے پر قربان نہیں کرتے۔ جب والی ٹونک نے انھیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور حج پر بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے معذرت کے ساتھ تشکر کا اظہار کرتے ہوئے اس قصیدے میں یہ بھی لکھا کہ مجھے اس کے در کا شوق افزوں ضرور ہے:

پر کروں کیا بن نہیں آتی

ورنہ میں اور تیرہ پیمانی

سوچ سوچ اپنے دل میں ڈرتا ہوں

گو ہوں وسواس ہائے شیطانی

ہے ابھی آرزوئے وصل صنم

ہے ابھی حسرت ہوس رانی

فکر انجام سے راہ ہوئی
سن چکا ہوں حدیث صنعانی
بعد یک چند گر خدا چاہے
میں ہوں اور تیرے در کی دربانی

انہی میں وہ سید احمد شہید بریلوی سے بیعت ہو کر تحریک جہاد میں ذہنی طور پر شریک ہو گئے تھے جس کا اظہار ان کی شاعری اور خطوط سے ہوتا ہے۔ ایک مثنوی ''جہاد'' کے موضوع پر ان کے کلیات میں ملتی ہے۔ عقائد کے سلسلے میں وہ بہت کٹر تھے۔ فضل حق خیرآبادی سے اسی وجہ سے اختلاف ہوا جس کا اظہار اس شعر سے بھی ہوتا ہے۔

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

جب جسم کی آگ ٹھنڈی پڑی اور مومن اپنے بال بچوں میں پھنس گئے تو یہ رنگینیٔ عشق بھی کم ہو گئی اور مذہبی رنگ گہرا ہو گیا مرتے دم تک ان کے ساتھ رہا۔

مومن جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں۔ خوب صورت و وجیہہ ان تھے۔ انہیں خاندانی عظمت کے ساتھ اپنے حسین و جمیل ہونے کا بھی شدید احساس تھا۔ وہ عاشق بھی ہیں تو معشوق مزاج ہیں۔ ایک خط میں خود بھی لکھا ہے کہ ''عاشق معشوقانہ مزاجم و باصد نیاز مند بے احتیاج۔ عاشق وفا شعارم اما غیرت مند و بندہ حق گزارم الا خریدار پسند'' اسی مزاج کی وجہ سے ان کا عشق یک طرفہ نہیں ہوتا۔ معشوق بھی عشق میں مبتلا ہو اور عاشق بھی۔ عاشق و معشوق دونوں ایک ساتھ ایک دوسرے پر عاشق ہوں اور دونوں ایک دوسرے کے لیے معشوق بھی ہوں۔

معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری
واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

Scanned by CamScanner

ہیں اسیر اس کے ہے اپنا اسیر
ہم نہ سمجھے صید کیا صیاد کیا

بھی وہ عشق ہے کامیابی سے چل سکتا تھا۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ دونوں کے جذبے اور ذہن کی سطح ایک ہو اس لیے ممکن نہیں تھی کہ معشوقانہ مزاج والے عاشق مومن خاں غیر معمولی احساس اور ذہن کے مالک تھے اسی لیے ان کے زیادہ تر عشق ناکامی سے ہم کنار ہوئے اور اگر مومن کی کسی کے ساتھ کوئی ذہنی سطح بنی بھی تو وہ امتہ الفاطمہ صاحب تھی پہلے مومن پر عاشق ہوئی اور پھر مومن نبض دیکھتے ہوئے اس پر عاشق ہوئے۔ اب دونوں ایک دوسرے کے عاشق بھی تھے اور ایک دوسرے کے معشوق بھی۔ عشق کا یہی رنگ ان کی شاعری میں رنگ بھرتا ہے اور اسی وجہ سے مومن کا عشق اردو شاعری کے روایتی تصور عشق سے قدرے الگ ہے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "ہاں اگر مجھے کسی چیز کی طمع ہے تو وہ یک دلی اور یکتائی ہے اگر میں کوئی چیز گننے کے قابل سمجھتا ہوں تو وہ جنس محبت و آشنائی ہے۔" (۴۱)

رنگا رنگی ان کے مزاج میں شامل تھی۔ وہ نجوم ورمل پر پوری قدرت رکھتے تھے اور ان کے کئی قصے مشہور تھے۔ ایک وہ چھپکلی والا واقعہ کہ انہوں نے اپنے شاگرد سکھانند سے کہا کہ "یہ چھپکلی دیوار پر نظر آ رہی ہے اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلے گی جب تک پورب کی طرف سے اس کا زانہ آ جائے۔ ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ بنارس کا سوداگر کپڑوں کے دو گٹھے لے کر آیا۔ گٹھری مزدور کے سر سے اتاری ہی تھی کہ پٹ سے ایک چھپکلی نیچے گری اور دوڑ کر سامنے کی دیوار پر چڑھ کر اس سے آملی اور دونوں مل کر ایک طرف چلی گئیں۔" (۴۲) "آب حیات" میں آیا ہے کہ ایک غریب ہندو بے قرار و پریشان مومن خاں کے پاس آیا اور کہا کہ اس کے زیوروں کا ڈبا چوری ہو گیا ہے۔ ساری عمر کی کمائی لٹ گئی۔ مومن خاں نے اس سے کئی سوال کیے اور کہا کہ یہ ڈبا تم نے لیا ہے یا تمہاری بیوی نے۔ باہر سے کوئی نہیں آیا اور کہا جا کر جنوب کے رخ پر کوٹھری ہے اس میں شمال کی جانب ایک لکڑی کا مچان ہے اس کے اوپر مال مو د

ہے۔ اس نے کہا حضور تین دفعہ چھان چھان مارا۔ کہا کہ پھر دیکھو وہیں سے گا۔ وہ پھر گیا، روشنی
میں دیکھا تو وہ ڈبا اور سارا زیور مو دتھا۔" (۴۳) شطرنج ان کا شوق تھا۔ عملیات سے بھی دلچسپی
رکھتے تھے۔ علم ریاضی پر قدرت تھی۔ ہر سال تقویم تیار کرتے اور سال بھر اسی سے واقعات،
حالات کے بارے میں پیشن گوئیاں کرتے رہتے۔ کسی نے ایسے بہت سے واقعات آزاد کو لکھ
کر بھجوائے تھے جنہیں وہ اس لیے شامل تذکرہ نہ کر سکے کہ لوگ اعتراض کریں گے کہ "تذکرہ
شعرا لکھنے بیٹھا اور نجومیوں کا تذکرہ لکھنے لگا۔" (۴۴)

شاعری کے معاملے میں وہ حد درجہ سنجیدہ تھے۔ ایک خاتون کو اپنی غزل بھجوائی اس
نے ابا خط میں لکھا کہ "یہ غزل آپ نے تفریح مزاج کے طور پر لکھی ہے۔ مومن برا مان گئے۔
لکھا کہ "اگر پسند ہو تو کاتب الحروف سے نئی غزلیں لکھوا کر بھیجوں۔ الٰہی یاوہ گویوں کی بات
کا کیا اب دوں۔ اس غزل سے اور تفریح سے کیا علاقہ...... آئندہ زحمت نہ دیں کہ مجھے اس
قدر دماغ نہیں۔" (۴۵)

مومن کو اپنی ذات اور اپنی شاعری دونوں پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ اپنے خطوط میں،
خصوصاً وہ خط انھوں نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حکیم احسن اللہ خاں کو لکھے ہیں، اپنے فن، اپنی
زبان، اپنی فصاحت و بلاغت کے بارے میں بلاتکلف لکھتے ہیں کہ:

بحکم نادرہ سنجی یگانہ دہرم
نہ کس بہ نظم عدیلم نہ کس بہ نثاری

(ندرت کلام کے لحاظ سے میں زمانے میں یکتا ہوں اور نہ کوئی نظم میں میرا ہم سر ہے اور نہ نثر میں)(۴۶)
اسی مزاج سے مومن کا تخلیقی عمل تشکیل پاتا ہے۔ وہ مضامین خیالی سے دامن بچاتے ہیں اور اپنے
تجربوں کے نور سے اپنی شاعری کے در و دیوار روشن کرتے ہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں نے مومن
خان کو لکھا کہ وہ مضامین خیالی لکھ کر پیش کریں۔ مومن خاں نے اب دیا کہ "مضامین خیالی لکھ
کر پیش کروں یہ مناسب نہیں کیوں کہ سخن سازی ارباب صدق و صفا کا شیوہ نہیں۔" (۴۷) یہی

انداز نظر مومن کے تخلیقی عمل کا حصہ ہے جس کا اظہار ایک اور خط میں وضاحت کے ساتھ کیا ہے:

''نکتہ شناس جانتے ہیں کہ اطمینان خاطر کے بغیر دل نشین نکتے نہیں سوجھتے اور عالی نظر سمجھتے ہیں کہ کافی غور کے بغیر شاید معنی کا چہرہ (چشم آفتاب ہی کیوں نہ ہو) دکھائی نہیں دیتا۔ بے تکلفی کی حالت میں شاعرانہ تکلف بن نہیں پڑتا اور انتشار خیال کے عالم میں نادر مضامین نہیں سوجھتے۔ جب تک شاعر محو حیرت نہ ہو اس وقت تک الفاظ کی صفائی بغیر کسی دقت کے میسر نہیں ہوتی اور جب تک وہ اپنی خودی نہیں کھوتا زبان سخن گوئی پر اور سخن زبان پر نہیں آتا۔ اگر آپ تجاہل عارفانہ سے کام نہ لیں، تقلیب اور حسن تعلیل کی طرف توجہ نہ دیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مضامین کے ابرات کا جڑنا کس قدر دشوار ہے اور سپیدی وسیاہی کا تقابل کتنا مشکل ہے.....'' (۴۸)

مومن کا یہ وہ تخلیقی رویہ ہے ان کی ساری شاعری میں رچا بسا ہے۔ وہ شعر غور وفکر سے کہتے ہیں جس میں مضامین خیالی کے بجائے ان کے اپنے تجربات رنگ بھرتے ہیں۔ ان کے زاویہ نظر کے مطابق شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ محو حیرت ہو۔ اسی سے خیال لفظوں کی گرفت میں آتا ہے۔ اس عمل میں اسے اپنی خودی کو مٹانا پڑتا ہے اور وہ معیار شاعری و د میں آتا ہے جس میں ''کنایت'' صراحت پر غالب رہتی ہے۔ بیٹے کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ چوں کہ مجھ کو ''شعر و شاعری سے ذوق ہے اس لیے کنایت کو صراحت سے بہتر سمجھتا ہوں۔'' (۴۹) اسی وجہ سے ''محذوفات'' ان کی شاعری کا عام مزاج ہے۔ وہ شاعری عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص کے لیے کرتے ہیں اور اسی لیے کنایات ومحذوفات کو سمجھنے، انہیں تلاش کر کے خیال کو پورا کرنے کے عمل میں وہ اپنے قاری کو شریک کرتے ہیں۔ ان کی شاعری اسی لیے مشکل پسند ہے اور دوسرے معاصرین سے مزاجاً مختلف اور منفرد ہے۔

~~~~~~~~~~~~
~~~~~~~~~~~~

## حوالہ جات


۱۔ کلیات مومن (جلد دوم) مرتبہ کلب علی خاں فائق، ص ۱۱۰۔۱۱۱، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۴ء

۲۔ مومن خاں کے پھوپھی زاد بھائی اور اس دور کی مشہور شخصیت حکیم احسن اللہ خاں نے "انشائے مومن" کے مقدمہ میں ان کا پورا نام محمد مومن خاں لکھا ہے۔ دیکھیے انشائے مومن مرتبہ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، ص ۲۲، غالب اکیڈمی نئی دہلی ۱۹۷۷ء، اور دیوان مومن مرتبہ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ، مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۶ء کے دیباچے میں بھی شیفتہ نے پورا نام محمد مومن خاں دیا ہے۔ دیکھیے کلیات مومن جلد اول مرتبہ کلب علی خاں فائق، ص ۵۶، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۴۶ء

۳۔ کلیات مومن (جلد اول) مرتبہ کلب علی خاں فائق، ص ۶۰، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۴ء

۴۔ حیات مومن، ضمیر الدین عرش گیاوی، ص ۳۷، دہلی ۱۳۲۷ھ

۵۔ عمدہ منتخبہ، اعظم الدولہ سرور، ص ۶۵۱، دہلی یونیورسٹی ۱۹۶۱ء

۶۔ گلشن بے خار، مصطفیٰ خاں شیفتہ، بار دوم، ص ۱۹۶، مطبع نول کشور لکھنو ۱۹۱۰ء

۷۔ گلستان سخن، مرزا قادر بخش صابر دہلوی، حصہ دوم، ص ۳۸۹، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۶ء

۸۔ عمدہ منتخبہ، محولہ بالا، ص ۶۵۱

۹۔ حیات مومن، ص ۳۷، محولہ بالا

۱۰۔ خوش معرکہ زیبا، سعادت خاں ناصر، جلد دوم، مرتبہ مشفق خواجہ، ص ۱۶۹، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۲ء

۱۱۔ انشائے مومن، مومن خاں مومن، مرتبہ و مترجمہ ظہیر احمد صدیقی، ص ۳۷۸، غالب اکیڈمی نئی دہلی، ۱۹۷۷ء

۱۲۔ ایضاً ص ۳۷۹

۱۳۔ سخن شعراء، عبدالغفور خاں نساخ، ص ۳۶۷، مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۴ء

۱۴۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص ۱۶۰ فارسی و ترجمہ ص ۳۸۹، دہلی یونیورسٹی ۱۹۷۷ء

۱۵۔ دیوان مومن (فارسی) مخطوطہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ اس کے لیے میں ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کا شکر گزار ہوں۔

۱۶۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص ۲۸۳

۱۷۔ ایضاً ص ۲۸۲

۱۸۔ ایضاً ص ۲۸۳

۱۹۔ مرغ = ۱۲۴۰ + قفس = ۲۴۰ یعنی کل ۱۴۸۰ میں سے بال کے ۳۳ اور پر کے ۲۰۲ کل ۲۳۵ نکال دیے جائیں تو ۱۲۴۵ھ برآمد ہوتے ہیں۔

۲۰۔ دیکھیے شجرہ خاندان مومن، ص ۱۱۶۔۱۱۷، مومن شخصیت اور فن، ظہیر احمد صدیقی، دہلی یونیورسٹی ۱۹۷۲ء

۲۱۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص ۲۲۹

۲۲۔ ایضاً ص ۲۳۳

۲۳۔ کلیات مومن، مرتبہ کلب علی خاں فائق، (جلد دوم) ص ۲۸۲، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۴ء

۲۴۔ انشائے مومن، محولہ بالا، ص ۳۴۳

۲۵۔ ایضاً ص ۳۹۲

۲۶۔ ایضاً ص ۲۲۵

۲۷۔ انشائے مومن بحوالہ بالا، ص ۲۱۹

۲۸۔ ایضاً ص ۲۱

۲۹۔ ایضاً ص ۲۲۲

۳۰۔ مومن از کلب علی خاں فائق ص ۲۷، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۱ء

۳۱۔ نوادرات غالب، آفاق حسین ص ۱۳، ادارہ نوادرات کراچی

۳۲۔ تذکرہ صد سالہ [illegible] ص ۹۰۳، [illegible]

۳۳۔ مومن، کلب علی خاں فائق ص ۷۱، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۱ء

۳۴۔ ایضاً ص ۷۱

۳۵۔ دلی کا ایک یادگار مشاعرہ، مرزا فرحت اللہ بیگ، ص ۳۵۔۳۶، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۶۰ء

۳۶۔ انشائے مومن بحوالہ بالا، ص فارسی ۵۸ و اردو ترجمہ ص ۲۵۴

۳۷۔ ایضاً ص فارسی ۳۶۔۳۷، اردو ترجمہ ص ۲۲۳

۳۸۔ ایضاً ص اردو ۳۸۰، فارسی ص ۱۵۴

۳۹۔ ایضاً ص اردو ۳۸۰، فارسی ص ۱۵۴

۴۰۔ ایضاً ص اردو ۳۸۳، فارسی ص ۸۱

۴۱۔ ایضاً بحوالہ بالا، ص اردو ۲۳۸

۴۲۔ دلی کا ایک یادگار مشاعرہ، مرزا فرحت اللہ بیگ، ص ۳۵۔۳۶، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۶۰ء

۴۳۔ آب حیات، محمد حسین آزاد، ص ۲۲۲۔۲۲۳، آزاد بک ڈپو لاہور س۔ن

۴۴۔ ایضاً ص ۲۲۳

۴۵۔ انشائے مومن بحوالہ بالا، ص اردو ۳۶۹ فارسی ص ۲۵۴

۳۶۔ انشائے مومن، بحوالہ بالا، فارسی شعر ص ۳۶، اردو ترجمہ ص ۲۲۳

۳۷۔ ایضاً، فارسی ص ۴۰، اردو ترجمہ ص ۲۲۹

۳۸۔ ایضاً بحوالہ بالا، اردو ترجمہ ص ۲۳۱۔۲۳۲، فارسی ص ۴۲

۳۹۔ ایضاً بحوالہ بالا، اردو ترجمہ ص ۲۶۸، فارسی ص ۶۹

حکیم مومن خاں مومن